

تفہیم القرآن

التحریم

(۲)

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرما والا ہے

اے نبی! تم کیوں اُس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے؟ (کیا اس لیے کہ تم اپنی بیبیوں کی خوشی چاہتے ہو؟) - اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ نے تم

سے یہ وسائل استغنا نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اور اس سے خود بخود یہ مضمون مترشح ہوتا ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے، حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اختیار نہیں رکھتے اگرچہ حضور نے اس چیز کو نہ عقیدۂ حرام سمجھا تھا اور نہ اُسے شرعاً حرام قرار دیا تھا، بلکہ صرف اپنی ذات پر اس کے استعمال کو حرام کر دیا تھا، لیکن چونکہ آپ کی حیثیت ایک عام آدمی کی نہیں بلکہ اللہ کے رسول کی تھی، اور آپ کے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ امت بھی اُس شے کو حرام یا کم از کم مکروہ سمجھنے لگے، یا امت کے افراد یہ خیال کرنے لگیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔

۱۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے تحریم کا یہ فعل خود اپنی کسی خواہش کی بنا پر نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی بیبیوں نے یہ چاہا تھا کہ آپ ایسا کریں اور آپ نے محض اُن کو خوش کرنے کے لیے ایک حلال چیز کو اپنے لیے حرام کر لی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم کے اس فعل پر ٹوکنے کے ساتھ اُس کی اس وجہ کا ذکر خاص پر کیوں

فرمایا، ظاہر ہے کہ اگر مقصود کلام صرف تحریم حلال سے آپ کو باز رکھنا ہوتا تو یہ مقصد پہلے فقرے سے پورا ہو جاتا تھا اور اس کی ضرورت نہ تھی کہ جس وجہ سے آپ نے یہ کام کیا تھا اس کی بھی تصریح کی جاتی۔ اُس کو بطور ناص بیان کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصد صرف حضور ہی کو تحریم حلال پر ٹوکنا نہیں تھا بلکہ ساتھ ساتھ ازواجِ مطہرات کو بھی اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے ازواجِ نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی نازک ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا اور حضور سے ایک ایسا کام کرا دیا جس سے ایک حلال چیز کے حرام ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔

اگرچہ قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ چیز کیا تھی جسے حضور نے اپنے اوپر حرام کیا تھا، لیکن دو تیس محدثین نے اس سلسلے میں دو مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے جو اس آیت کے نزول کا سبب بنے۔ ایک: اتقد حضرت ماریہ قبطیہ کا بے اور دوسرا واقعہ یہ کہ آپ نے شہداء استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا تھا۔

حضرت ماریہ کا قصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو بیعت اطراف و نواح کے بادشاہوں کو بھیجے تھے اُن میں سے ایک اسکندریہ کے رومی بطریق (PATRIARCH) کے نام بھی تھا جسے عرب متوقس کہتے تھے حضرت حاطب بن ابی بلتہ یہ نام گرامی لے کر جب اس کے پاس پہنچے تو اُس نے اسلام تو قبول نہ کیا، مگر اُن کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا اور جواب میں لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ایک نبی آنا ابھی باقی ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ شام میں نکلے گا تاہم میں آپ کے اچھی کے ساتھ احترام سے پیش آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا مرتبہ رکھتی ہیں (ابن سعد)۔ ان لڑکیوں میں سے ایک بنیرین تھیں اور دوسری ماریہ (عیسائی حضرت مریم کو ماریہ (MARY) کہتے ہیں)۔

مصر سے واپسی پر راستہ میں حضرت حاطب نے دونوں کے سامنے اس قدر پیش کیا اور وہ ایمان لے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پیرین کو حضرت عائشہ کی بیعت کی ایک کاپی میں سے دیا اور حضرت ماریہ کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ ذی الحجہ ۱۰ھ میں انہی نے حضرت عائشہ کے عہد ازدواج سے ابراہیم پیدا ہوئے (الاصحاب)۔ یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں۔ حافظ ابن حجر سے القاصد میں ان کے متعلق حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر ناگوار نہ ہوا جتنا ماریہ کا آنا ہوا تھا، کیونکہ وہ حسین و جمیل تھیں اور حضور کو بہت پسند آئی تھیں۔ ان کے بارے میں متعدد طریقوں سے جو قصہ احادیث میں نقل ہوا ہے وہ مختلف ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے مکان میں نشتر لے گئے اور وہ گھر پر موجود نہ تھیں۔ اس وقت حضرت ماریہ آپ کے پاس آئی

آگئیں اور تخلیہ میں آپ کے ساتھ رہیں۔ حضرت حفصہ کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے حضور سے اس کی سخت تنکاح کی۔ اس پر آپ نے ان کو راضی کرنے کے لیے ان سے یہ عہد کر لیا کہ آئندہ ماریہ سے کوئی ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اور بعض میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اس پر قسم بھی کھائی تھی۔ یہ روایات زیادہ تر تابعین سے مراد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے بعض حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہیں۔ ان کی کثرت طرزی کو دیکھتے ہوئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس قسم کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے مگر صحاح ستہ میں سے کسی میں بھی یہ قسم نقل نہیں کیا گیا ہے۔ نسائی میں حضرت انس سے صرف اتنی بات منقول ہوئی ہے کہ حضور کی ایک لونڈی تھی جس سے آپ تمسح فرماتے تھے۔ پھر حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ آپ کے پیچھے چڑھیں یہاں تک کہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

دوسرا واقعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دوسری متعدد کتب حدیث میں خود حضرت عائشہ سے جس طرح نقل ہوا ہے اس کا نواسہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ہر روز عصر کے بعد تمام ازدواج مطہرات کے ہاں چکر لگاتے تھے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھے گئے۔ کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا، اور حضور کو شیرینی بہت پسند تھی۔ اس لیے آپ ان کے ہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مجھ کو اس پر رشک لائن ہوا اور میں نے حضرت حفصہؓ، حضرت مروانہ اور حضرت صفیہ سے مل کر یہ طے کیا کہ جو میں سے جس کے پاس بھی آپ آئیں وہ آپ سے یکے کے منہ سے مغانیر کی بوائی ہے۔ مغانیر ایک قسم کا پھول بتو ماہت جس میں کچھ بسا ند ہوتی ہے اور اگر شہد کی کسی اس شہد حاصل کرے تو اس کے اندر بھی اس بسا ند کا اثر آجاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم تھی کہ حضور نہایت امانت پسند ہیں اور آپ کو اس سے سخت نفرت ہے کہ آپ کے اندر کسی قسم کی بدبو پائی جائے۔ اس لیے آپ کو نہایت زینب کے ہاں شیرینے سے روکنے کی خاطر یہ تہبیر کی گئی اور یہ لگا کر ہوتی ہے متعدد بیویوں نے آپ سے کہا کہ آپ کے منہ سے مغانیر کی بوائی ہے تو آپ نے عہد کر لیا کہ اب یہ شہد استعمال نہیں فرمائیں گے۔ ایک روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ فلن اعود لہ وقد حلفت اب میں ہرگز اسے نہ پیونگا، میں نے قسم کھائی۔ دوسری روایت میں صرف فلن اعود لہ کے الفاظ ہیں۔ وقد حلفت کا ذکر نہیں ہے۔ اور ابن عباسؓ سے جو روایت ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مروانہ نے نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ واللہ

لوگوں کے لیے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہی لا اشری بک، خدا کی قسم میں اسے نہ پیونگا۔

اکابر اہل علم نے ان دونوں قصتوں میں سے اسی دوسرے قصے کو صحیح قرار دیا ہے اور پہلے قصے کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ "شہد کے معاملہ میں حضرت عائشہ کی حدیث نہایت صحیح ہے۔ اور نہ مادہ کو حرام کر لینے کا قصہ کسی عمدہ طریقہ سے نقل نہیں ہوا ہے" قاضی حیاض کہتے ہیں "صحیح یہ ہے کہ یہ آیت مادہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ شہد کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے" قاضی ابوبکر ابن العربی بھی شہد ہی کے قصے کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور یہی رائے امام نووی اور حافظ بدرالدین عینی کی ہے۔ ابن ہمام فتح القدر میں کہتے ہیں کہ شہد کو توبہ کا قصہ صحیحین میں خود حضرت عائشہ سے مروی ہے جن کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تھا۔ اس لیے یہی زیادہ قابل اعتبار ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں "صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

سمہ یعنی بیویوں کی خوشی کی خاطر ایک حلال چیز کو حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے یہ اگرچہ آپ کے اہم ترین ذمہ دارانہ منصب کے لحاظ سے مناسب نہ تھا، لیکن یہ کوئی گناہ بھی نہ تھا کہ اس پر مواخذہ کیا جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ٹوک کر اس کی اصلاح کر دینے پر اکتفا فرمایا اور آپ کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔

نک: مطلب یہ ہے کہ کفارہ دے کر قسموں کی پابندی سے نکلنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ، آیت ۸۹ میں مندرجہ دیا ہے اس کے مطابق عمل کر کے آپ اس عہد کو توڑ دیں جو آپ نے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کے لیے کیا ہے۔ یہاں ایک اہم فقہی سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آیا یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جبکہ آدمی نے قسم کھا کر حلال کو حرام کر لیا ہو، یا بجائے خود تحریم ہی قسم کی ہم معنی ہے خواہ قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں؟ اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ محض تحریم قسم نہیں ہے۔ اگر آدمی نے کسی چیز کو، خواہ وہ بیوی ہو یا کوئی دوسری حال چیز، قسم کھاتے بغیر اپنے اوپر حرام کر لیا ہو تو یہ ایک لغو بات ہے جس سے کوئی کفارہ لازم نہیں آتا، بلکہ آدمی کفارہ کے بغیر ہی وہ چیز استعمال کر سکتا ہے جسے، اس نے حرام کیا ہے۔ یہ رائے منسوق، شافعی، ربیعہ اور ابو سلمہ کی ہے اور اسی کو ابن جریر اور تمام ظاہر قویوں نے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک تحریم صرف اس صورت میں قسم ہے جبکہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے ہوئے قسم کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ اس سلسلے میں ان کا ہندسہ

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ حلال چیز کو اپنے لیے حرام کرنے کے ساتھ قسم بھی کھائی تھی، جیسا کہ متعدد روایات میں بیان ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور سے فرمایا کہ ہم نے قسموں کی پابندی سے نکلنے کا جو طریقہ مقرر کر دیا ہے اس پر آپ عمل کریں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قسم کے الفاظ استعمال کیے بغیر کسی چیز کو حرام کر لینا بجائے خود قسم تو نہیں ہے مگر بیوی کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ دوسری اشیاء، مثلاً کسی کپڑے یا کھانے کو آدمی نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہو تو یہ لغو ہے کوئی کفارہ دینے بغیر آدمی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بیوی یا لونڈی کے لیے اس نے کہا ہو کہ اس سے مباشرت میرے اوپر حرام ہے، تو وہ حرام تو نہ ہوگی، مگر اس کے پاس جانے سے پہلے کفارہ عین لازم آئے گا۔ یہ رائے شافعیہ کی ہے (مغنی المحتاج)، اور اسی سے طبری جلی رائے مالکیہ کی بھی ہے (احکام القرآن لابن العربی)۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ تحریم بجائے خود قسم ہے خواہ قسم کے الفاظ استعمال نہ کیے گئے ہوں۔ یہ رائے حضرت

ابوبکر صدیق، حضرت عائشہ، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی ہے۔ اگرچہ ابن عباس سے ایک دوسری رائے بخاری میں یہ نقل ہوئی ہے کہ اذا حرم امرأتہ فلیس بشیء (اگر آدمی نے اپنی بیوی کو حرام کیا ہو تو یہ کچھ نہیں ہے)، مگر اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک یہ علاق نہیں بلکہ قسم ہے اور اس پر کفارہ ہے، کیونکہ بخاری، مسلم، اور ابن ماجہ میں ابن عباس کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ حرام قرار دینے کی صورت میں کفارہ ہے، اور نسائی میں روایت ہے کہ ابن عباس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "وہ تیرے اوپر حرام تو نہیں ہے مگر تجھ پر کفارہ لازم ہے"، اور ابن جریر کی روایت میں ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں: "اگر لوگوں نے اپنے اوپر کسی چیز کو حرام کیا ہو جسے اللہ نے حلال کیا ہے تو ان پر لازم ہے کہ اپنی قسموں کا کفارہ ادا کریں۔" یہی رائے حسن بصری، عطاء، طلوس، سلیمان بن فیاض ابن جبیر اور قتادہ کی ہے، اور اسی رائے کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ امام ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ آیت لِمَنْ حَرَّمَ مِمَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ کے ظاہر الفاظ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم کے ساتھ ساتھ قسم بھی کھائی تھی، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ تحریم ہی قسم ہے، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی تحریم کے معاملہ میں قسم کا کفارہ واجب فرمایا۔ آگے چل کر پھر کہتے ہیں "ہمارے اصحاب (یعنی

حنفیہ نے تحریم کو اس صورت میں قسم قرار دیا ہے جبکہ اس کے ساتھ طلاق کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے بیوی کو حرام کہا تو گویا اس نے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، اس لیے وہ ایلاہ کا منکب پڑا۔ اور اگر اس نے کسی کھانے پینے کی چیز وغیرہ کو اپنے لیے حرام قرار دیا تو گویا اس نے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں وہ چیز استعمال نہ کروں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا کہ آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، اور پھر فرمایا کہ اللہ نے تم لوگوں کے لیے قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تحریم کو قسم قرار دیا اور تحریم کا لفظ اپنے مفہوم اور حکم شرعی میں قسم کا ہم معنی ہو گیا۔

اس مقام پر فائدہ عام کے لیے یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے، اور بیوی کے سوا دوسری چیزوں کو حرام کر لینے کے معاملہ میں فقہاء کے نزدیک شرعی حکم کیا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی نیت کے بغیر کسی شخص نے بیوی کو اپنے لیے حرام کیا ہو، یا قسم کھاتی ہو کہ اس سے مفارقت نہ کرے گا، تو یہ ایلاہ ہے اور اس صورت میں مفارقت سے پہلے اسے قسم کا کفارہ دینا ہو گا۔ لیکن اگر اس نے طلاق کی نیت سے یہ کہا ہو کہ تو میرے اوپر حرام ہے تو معلوم کیا جائے گا کہ اس کی نیت کیا تھی۔ اگر تین طلاق کی نیت تھی تو تین واقع ہو گی اور اگر اس سے کم کی نیت تھی، خواہ ایک کی نیت ہو یا دو کی، تو دونوں صورتوں میں ایک ہی طلاق وارد ہو گی۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو کچھ میرے لیے حلال تھا وہ حرام ہو گیا، تو اس کا اطلاق بیوی پر اس وقت تک نہ ہو گا جب تک اس نے بیوی کو حرام کرنے کی نیت سے یہ الفاظ نہ کہے ہوں۔ بیوی کے سوا دوسری کسی چیز کو حرام کرنے کی صورت میں آدمی اس وقت تک وہ چیز استعمال نہیں کر سکتا جب تک قسم کا کفارہ ادا نہ کر دے (بدائع الشرائع، ہدایہ، فتح القدر، احکام القرآن ج ۱)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بیوی کو اگر طلاق یا زہار کی نیت سے حرام کیا جائے تو جس چیز کی نیت ہو گی وہ واقع ہو جائے گی۔ رجعی طلاق کی نیت ہو تو رجعی، بائن کی نیت ہو تو بائن، اور زہار کی نیت ہو تو زہار۔ اور اگر کسی نے طلاق و زہار دونوں کی نیت سے تحریم کے الفاظ استعمال کیے ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ دونوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لے، کیونکہ طلاق و زہار، دونوں بیک وقت ثابت نہیں ہو سکتے، طلاق سے نکاح زائل ہوتا ہے، اور زہار کی صحت میں وہ باقی رہتا ہے۔ اور اگر کسی نیت کے بغیر مطلقاً بیوی کو حرام قرار دیا گیا

علیم و حکیم ہے۔

تو وہ حرام نہ ہوگی مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر بیوی کے سوا کسی اور چیز کو حرام قرار دیا ہو تو یہ لغو ہے، اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے (مثنیٰ المحتاج)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بیوی کے سوا دوسری کسی چیز کو آدمی اپنے اوپر حرام کرے تو نہ وہ حرام ہوتی ہے اور نہ اسے استعمال کرنے سے پہلے کوئی کفارہ لازم آتا ہے۔ لیکن اگر بیوی کو کہہ دے کہ تو حرام ہے، یا میرے لیے حرام ہے، یا میں تیرے لیے حرام ہوں، تو خواہ مدخولہ سے یہ بات کہے یا غیر مدخولہ سے، ہر صورت میں یہ تین طلاق ہیں الایہ کہ اس نے تین سے کم کی نیت ہو۔ اثنیٰ کا قول ہے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ جو کچھ مجھ پر حلال تھا وہ حرام ہے تو جیت تک وہ بیوی کو مستثنیٰ نہ کرے، اس سے بیوی کی تحریم بھی لازم آجائے گی۔ المدخولہ میں مدخولہ اور غیر مدخولہ کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ مدخولہ کو حرام کہہ دینے سے تین ہی طلاقیں پڑیں گی، خواہ نیت کچھ بھی ہو، لیکن غیر مدخولہ کے معاملہ میں اگر نیت کم کی ہو تو حتیٰ طلاقوں کی نیت کی گئی ہے اتنی پڑیں گی، اور کسی خاص تعداد کی نیت نہ ہو تو پھر یہ تین طلاقیں ہونگی (ماشتیہ المدخولہ)، فاضل ابن العربی نے احکام القرآن میں اس مسئلے کے متعلق امام مالک کے تین قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی کی تحریم ایک طلاق بائن ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ تین طلاق ہیں۔ تیسرا یہ کہ مدخولہ کے معاملہ میں تو یہ بہر حال تین طلاقیں ہیں البتہ غیر مدخولہ کے معاملہ میں ایک کی نیت ہو تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔ پھر کہتے ہیں کہ ”صحیح یہ ہے کہ بیوی کی تحریم ایک ہی طلاق ہے کیونکہ اگر آدمی حرام کہنے کے بجائے طلاق کا لفظ استعمال کرے اور کسی تعداد کا نیت نہ کرے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔“

امام احمد بن حنبل ہے اس مسئلے میں تین مختلف اقوال منقول ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی کی تحریم، یا حلال کو مطلقاً اپنے لیے حرام قرار دینا ظہار ہے خواہ ظہار کی نیت ہو یا نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ طلاق کا عریج گناہ ہے اور اس سے تین طلاقین واقع ہو جاتی ہیں خواہ نیت ایک ہی کی ہو۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ قسم ہے، الایہ کہ آدمی نے طلاق یا ظہار میں سے کسی چیز کی نیت کی ہو، اور اس صورت میں جو نیت بھی کی گئی ہو وہی واقع ہوگی۔ ان میں سے پہلا قول ہی مذہب حنبلی میں مشہور ترین ہے (الانصاف)۔

یعنی اللہ تمہارا آقا اور تمہارے تمام معاملات کا متولی ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی

اور یہ معاملہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ بنی نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اُس بیوی نے (کسی اور پر)، وہ راز ظاہر کر دیا، اور اللہ نے نبی کو اس رافشاے راز، کی اطلاع دے دی، تو نبی نے اس پر کسی حد تک رُاس بیوی کو خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبی نے اُسے رافشاے راز کی، یہ بات بتائی تو اُس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ بنی نے کہا مجھے اُس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔

کس چیز میں ہے اور جو احکام بھی اُس نے دیئے ہیں سراسر حکمت کی بنا پر دیئے ہیں۔ پہلی بات ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے ہو اور وہ تمہارا آقا ہے، اس لیے اس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں میں رد و بدل کرنے کا اختیار تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تمہارے لیے حق یہی ہے کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے بس اُس کی اطاعت کرتے رہو۔ دوسری بات ارشاد فرمانے سے یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اللہ نے جو طریقے اور قوانین مقرر کیے ہیں وہ سب علم و حکمت پر مبنی ہیں جس چیز کو حلال کیا ہے علم و حکمت کی بنا پر حلال کیا ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے بھی علم و حکمت کی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ یہ کوئی اہلِ ثبوت کام نہیں ہے کہ جسے چاہا حلال کر دیا اور جسے چاہا حرام ٹھہرا دیا۔ لہذا جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ علیم و حکیم ہم نہیں ہیں بلکہ اللہ ہے اور ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کریں۔

۹ مختلف روایات میں مختلف باتوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلاں بات تھی جو حضور نے اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی اور اُن بیوی نے ایک دوسری بیوی سے اس کا ذکر کر دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک اول تو اُس کا کھوج لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ راز کے افشا کرنے پر ہی تو اللہ تعالیٰ یہاں ایک بیوی کو ٹوک رہا ہے، پھر ہمارے لیے کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کی ٹٹول کریں اور اسے کھولنے کی فکر میں لگ جائیں۔ دوسرے، جس مقصد کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کے لحاظ سے یہ سوال سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ راز کی بات تھی کیا۔ مقصود کلام سے اس کا کوئی تعلق ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے خود بیان فرما دیتا۔ اصل غرض جس کے لیے اس معاملے کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، ازواجِ مطہرات میں سے ایک کو اس غلطی پر ٹوکنا ہے کہ اُن کے علیم و حکیم

اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے بٹ گئے ہیں

شوہر نے جو بات راز میں اُن سے فرمائی تھی اسے انہوں نے راز نہ رکھا اور اس کا افشا کر دیا۔ یہ محض ایک نجی معاملہ ہوتا۔ جیسا دنیا کے عام میاں اور بیوی کے درمیان ہوتا کرتا ہے، تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعہ سے حضور کو اس کی خبر کر دیتا اور پھر محض خبر دینے ہی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ اسے اپنی اُس کتاب میں بھی درج کر دیتا جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساری دنیا کو پڑھنا ہے۔ لیکن اسے یہ اہمیت جس وجہ سے دی گئی وہ یہ تھی کہ وہ بیوی کسی معمولی شوہر کی نہ تھیں بلکہ اُس عظیم ہستی کی بیوی تھیں جسے اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم ذمہ داری کے منصب پر مامور فرمایا تھا جسے ہر وقت کفار و مشرکین اور منافقین کے ساتھ ایک مسلسل جہاد سے سابقہ درپیش تھا، جس کی قیادت میں کفر کی جگہ اسلام کا نظام برپا کرنے کے لیے ایک زبردست جدوجہد ہو رہی تھی۔ ایسی ہستی کے گھر میں بے شمار ایسی باتیں ہو سکتی تھیں جو اگر راز نہ رہتیں اور قبل از وقت ظاہر ہو جاتیں تو اس کا عظیم کو نقصان پہنچ سکتا تھا جو وہ ہستی انجام دے رہی تھی۔ اس لیے جب اُس گھر کی ایک خاتون سے پہلی مرتبہ یہ کمزوری صادر ہوئی کہ اس نے ایک ایسی بات کو جو راز میں اس سے کہی گئی تھی کسی اور پر ظاہر کر دیا اگرچہ وہ کوئی غیر نہ تھا بلکہ اپنے ہی گھر کا ایک فرد تھا، تو اس پر فوراً ٹوک دیا گیا، اور درپردہ نہیں بلکہ قرآن مجید میں برملا ٹوکا گیا تاکہ نہ صرف ازواجِ مطہرات کو، بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دی جائے۔ آیت میں اس سوالی کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جس راز کی بات کو افشا کیا گیا تھا وہ کوئی خاص اہمیت رکھتی تھی یا نہیں، اور اس کے افشا سے کسی نقصان کا خطرہ تھا یا نہیں۔ گرفت بجاتے خود اس امر پر کی گئی ہے کہ راز کی بات کو دوسرے سے بیان کر دیا گیا۔ اس لیے کہ کسی ذمہ دار ہستی کے گھر والوں میں اگر یہ کمزوری موجود ہو کہ وہ رازوں کی حفاظت میں تساہل برتیں تو آج ایک غیر اہم راز افشا ہوا ہے، کل کوئی اہم راز افشا ہو سکتا ہے۔ جس شخص کا منصب معاشرے میں جتنا زیادہ ذمہ دار ہو گا اتنے ہی زیادہ اہم اور نازک معاملات اس کے گھر والوں کے علم میں آئیں گے۔ اُن کے ذریعہ سے راز کی باتیں دوسروں تک پہنچ جائیں تو کسی وقت بھی یہ کمزوری کسی بڑے خطرے کی موجب بن سکتی ہے۔

۱۰ اصل الفاظ میں فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبَكُمَا۔ صَغُوْا عَرَبِيٌّ زَبَانٌ مِّنْ مَّرْجَانٍ اور مَرَّحَا ہونا جانے کے معنی

میں بولا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ کیا ہے: "ہر آئینہ کج شدہ است و لٰ شام"

اور اگر نبی کے مقابلہ میں تم نے باہم حجتہ بندھی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا موٹی ہے اور اس کے بعد جبریل اور تمام نسل اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر نبی تم سب بیویوں کو طلاق

اور شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ہے ”کچھ ہو گئے ہیں تمہارے“ حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، سنیان ثوری اور ضحاک نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے زَاَعَتْ قُلُوبُ كَمَا، یعنی تمہارے دل راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں۔ امام رازی اس کی تشریح میں کہتے ہیں عدلت و مالت عن الحق و هو حق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ”حق سے ہٹ گئے ہیں، اور حق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے“ اور علامہ آلوسی کی تشریح یہ ہے: مالت عن الواجب من موافقتہ صلی اللہ علیہ وسلم بحجت ما یجبہ و کداهة ما یکرہہ الی مخالفتہ۔ یعنی تم پر واجب تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پسند کریں اسے پسند کرنے میں اور جو کچھ آپ ناپسند کریں اسے ناپسند کرنے میں آپ کی نقتت کرو۔ مگر تمہارے دل اس معاملہ میں آپ کی موافقت سے ہٹ کر آپ کی مخالفت کی طرف مڑ گئے ہیں“

عہ اصل الفاظ ہیں قَاتَ تَطَاهَرَا عَلَیْہِ۔ تَطَاهَرَا کے معنی ہیں کسی کے مقابلہ میں باہم تعاون کرنا یا کسی کے خلاف ایسا کرنا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ کیا ہے: ”اگر باہم متفق شوید بر بنائیدین پیغمبر“ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ہے: ”اگر تم دونوں چرمائی کرو گیاں اُس پر“ مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ ہے: ”اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرنی رہیں“ اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ”اگر تم دونوں اسی طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرنی رہیں“

آیت کا خطاب عبادت طور پر دو حواتین کی طرف ہے، اور سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حواتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں، کیونکہ اس سورے کی پہلی آیت سے پانچویں آیت تک مسلسل حضور کی ازواج کے معاملات ہی زیر بحث آئے ہیں۔ اس حد تک تو بات خود قرآن مجید کے اندازِ بیان سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ دونوں بیویاں کون تھیں، اور وہ معاملہ کیا تھا جس پر یہ عتاب ہوا ہے، اس کی تفصیل ہمیں حدیث میں ملتی ہے۔ مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک مفصل روایت نقل ہوئی ہے جس میں کچھ لفظی اختلافات کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا گیا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دو میں ایک مدت سے اس فکر میں تھا کہ حضرت عمر سے پوچھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے حضور کے مقابلہ میں حجۃ نبوی کر لی تھی اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ارشاد فرمائی ہے کہ اِنَّ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَعَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میری بہت نہ پڑتی تھی۔ آخر ایک مرتبہ وہ حج کے لیے تشریف لے گئے اور میں ان کے ساتھ گیا۔ واپسی پر راستہ میں ایک جگہ ان کو وضو کراتے ہوئے مجھے موقع مل گیا اور میں نے یہ سوال پوچھ لیا۔ انہوں نے جواب دیا وہ عائشہ اور حفصہ تھیں پھر انہوں نے بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش کے لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھنے کے عادی تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ ملے جن پر ان کی بیویاں حاوی تھیں، اور یہی سنتی ہماری عورتیں بھی ان سے سیکھنے لگیں۔ ایک روز میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے پٹ کر جواب دے رہی ہے (اسل الفاظ ہیں فاذا ہی شرا جعنی)۔ مجھے یہ بہت ناگوار ہوا کہ وہ مجھے پٹ کر جواب دے۔ اس نے کہا آپ اس بات پر کیوں بگڑتے ہیں کہ میں آپ کو پٹ کر جواب دوں؟ خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور کو دُوبد و جواب دیتی ہیں (اصل لفظ ہے لِيُرَاجَعْنَهُ) اور ان میں سے کوئی حضور سے دن دن بھر روٹھی رہتی ہے (بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور اس سے دن بھر ناراض رہتے ہیں)۔ یہ سن کر میں گھر سے نکلا اور حفصہ کے ہاں گیا (جو حضرت عمرؓ کی بیٹی اور حضور کی بیوی تھیں)۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُوبد و جواب دیتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا اور کیا تم میں سے کوئی دن دن بھر حضور سے روٹھی رہتی ہے؟ (بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور دن بھر اس سے ناراض رہتے ہیں)۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا نامزد ہو گئی اور گھائے میں پڑ گئی وہ عورت جو تم میں سے ایسا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہو گئی ہے کہ اپنے رسول کے غضب کی وجہ سے اللہ اس پر غضبناک ہو جائے اور وہ بلاکت میں پڑ جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی زبان درازی نہ کرنا یہاں بھی

وہی الفاظ ہیں (لائٹراجی) اور نہ اُن سے کسی چیز کا مطالبہ کر، میرے مال سے تیرا جو جی چاہے لگ لیا کر۔ تو اس بات سے کسی دھوکے میں نہ پڑ کہ تیری ٹیڑھیں (مراد ہیں حضرت عائشہؓ) تجھ سے زیادہ خوب صورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد میں وہاں سے نکل کر ام سلمہ کے پاس پہنچا جو میری رشتہ دار تھیں، اور میں نے اس معاملہ میں ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا، ابن خطاب تم بھی عجیب آدمی ہو۔ ہر معاملہ میں تم نے دخل دیا یہاں تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی دخل دینے چلے ہو۔ اُن کی اس بات نے میری ہمت توڑ دی پھر ایسا ہوا کہ میرا ایک انصاری ٹیڑھی رات کے وقت میرے گھر آیا اور اس نے مجھے پکارا ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور جو بات کسی کی باری کے دن ہوتی تھی وہ دوسرے کو بتا دیا کرتا تھا نہ مانہ وہ تھا جب ہمیں عثمان کے حملے کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ اُس کے پکارنے پر جب میں نکلا تو اس نے کہا ایک بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے کہا کیا عثمانی چڑھ آئے ہیں؟ اس نے کہا نہیں، اس سے بھی زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا برباد ہوئی اور نامراد ہو گئی حفصہ، بخاری کے الفاظ ہیں رَغِمَ اَنْتُ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ، مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ یہ ہونے والی بات ہے۔

اس کے آگے کا قصہ ہم نے چھوڑ دیا ہے جس میں حضرت عمرؓ نے بتایا ہے کہ دوسرے روز صبح حضورؐ کی خدمت میں جا کر انہوں نے کس طرح حضورؐ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اس قصے کو ہم نے سنہ ۱۰۰۰ء بخاری کی کتاب جمع کر کے مرتب کیا ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ نے فرأجت کا لفظ جو استعمال کیا ہے اسے لغوی معنی میں نہیں لیا جا سکتا بلکہ سیاق و سباق خود بتا رہا ہے کہ یہ لفظ دُوبِد و جَاب دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور حضرت عمرؓ کا اپنی بیٹی سے یہ کہنا کہ لائٹراجی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے کہ حضورؐ سے زبان درازی نہ کیا کر۔ اس توجیہ کو بعض لوگ سوء ادب قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ سوء ادب اگر ہو سکتا تھا تو اُس صورت میں حکمہ ہم اپنی طرف سے اس طرح کے الفاظ حضرت حفصہ کے متعلق استعمال کرنے کی جسارت کرتے۔ ہم نے تو حضرت عمرؓ

دے دے تو اللہ اسے ایسی بیوریاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہتر سہوں، سچی مسلمان،

کے الفاظ کا صحیح مفہوم ادا کیا ہے، اور یہ الفاظ انہوں نے اپنی بیٹی کو اس کے حضور پر سرزنش کرتے ہوئے استعمال کیے ہیں۔ اسے سُو ادب کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یا تو باپ اپنی بیٹی کو ڈراتے ہوئے بھی ادب سے بات کرے، یا پھر اس کی ڈانٹ کا ترجمہ کرنے والا اپنی طرف سے اس کو با ادب کلام بنا دے۔

۹۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حجتہ نبوی کر کے تم اپنا ہی نقصان کرو گی، کیونکہ جس کا مولیٰ اللہ ہے اور حیرت اور بلا لگے اور تمام صالح اہل ایمان جس کے ساتھ ہیں اُس کے مقابلہ میں حجتہ نبوی کر کے کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

تلاہ اس سے معلوم ہوا کہ قصود صرف حضرت عائشہ اور حفصہ ہی کا نہ تھا، بلکہ دوسری ازواج مطہرات بھی کچھ نہ کچھ تصور وار تھیں، اسی لیے اُن دونوں کے بعد اس آیت میں باقی سب ازواج کو بھی تنبیہ فرمائی گئی۔ قرآن مجید میں اس تصور کی نوعیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، البتہ احادیث میں اس کے متعلق کچھ تفصیلات آئی ہیں۔ اُن کو ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوریاں تمہاری آپس کے رنگ و رقابت میں مل جلیں کہ حضور کو رنگ کر دیا تھا اصل الفاظ میں اٰجئتم نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العیزة علیہ، اس پر میں نے اُن سے کہا کہ بعید نہیں اگر حضور تم کو طلاق دے دیں تو اللہ تم سے بہتر بیوریاں آپ کو عطا فرما دے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت انسؓ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ”مجھے خبر پہنچی کہ اہبات المؤمنین امد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی ہے اس پر میں ان میں سے ایک ایک کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے سے باز آ جاؤ ورنہ اللہ تمہارے بدلے تم سے بہتر بیوریاں حضور کو عطا فرما دے گا۔ یہاں تک کہ جب میں اہبات المؤمنین میں سے آخری کے پاس گیا اور یہ بخاری کی ایک روایت کے بموجب حضرت ام سلمہؓ تھیں، تو انہوں نے مجھے جواب دیا: اے عمر، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی نصیحت کے لیے کافی نہیں ہیں کہ تم انہیں نصیحت کرنے چلے ہو؟ اس پر میں خاموش ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ۴

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار فرمائی تو میں مسجد نبوی میں پہنچا۔ دیکھا کہ لوگ متفکر بیٹھے ہوئے کھکریاں اٹھا اٹھا کر گرا رہے ہیں اور آپس میں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے ہاں اپنے جانے اور ان کو نصیحت کرنے کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: "بیویوں کے معاملہ میں آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اگر آپ ان کو طلاق دے دیں تو اللہ آپ کے ساتھ ہے، سارے ملائکہ اور جبریل و میکائیل آپ کے ساتھ ہیں اور میں اور ابو بکر اور سب اہل ایمان آپ کے ساتھ ہیں۔" میں اللہ کا شکر بجالانا ہوں کہ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ میں نے کوئی بات کہی ہو اور اللہ سے یہ امید نہ رکھی ہو کہ وہ میرے قول کی تصدیق فرما دے گا، چنانچہ اس کے بعد سورہ تحریم کی یہ آیات نازل ہو گئیں۔ پھر میں نے حضورؐ سے پوچھا کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ اس پر میں نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر باواز بند اعلان کیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایات منقول ہوتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک مہینہ تک کے لیے اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا عہد فرمایا تھا اور اپنے بالاخانے میں بیٹھ گئے تھے۔ ۲۹ دن گزر جانے پر جبریل علیہ السلام نے آکر کہا آپ کی قسم پوری ہو گئی ہے، مہینہ مکمل ہو گیا۔ حانظ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ازواجِ مطہرات کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ تھیں، اور دوسری میں حضرت زینبؓ، حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواجِ شامل تھیں۔

ان تمام روایات سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی میں کیا حالات پیدا ہو گئے تھے جن کی بنا پر یہ ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ مدد ملت کر کے ازواجِ مطہرات کے طرز عمل کی اصلاح فرمائے۔ یہ ازواج اگرچہ معاشرے کی بہترین خواتین تھیں، مگر ہر حال میں انسان ہی، اور بشریت کے تقاضوں کے سبب انہیں کبھی ان کے لیے مسلسل عسرت کی زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا تھا اور وہ بے صبر ہو کر حضورؐ سے نفقہ کا مطالبہ کرنے لگتیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ اخزاب کی آیات ۲۸-۲۹ نازل فرما کر ان کو تلقین کی کہ اگر تمہیں دنیا کی خوشحالی مطلوب ہے تو ہمارا رسول تم کو غیر درجی رخصت

باایمان، اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار، اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ۔

کر دیگا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو پھر صبر و شکر کے ساتھ ان تکلیفوں کو برداشت کرو جو رسول کی رفاقت میں پیش آئیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۴۱، اور دوسرا سورہ احزاب صفحہ ۸۴، پھر کبھی نسائی فطرت کی بنا پر ان سے ایسی باتوں کا ظہور ہو جاتا تھا جو عام انسانی زندگی میں معمول کے خلاف تھیں مگر جس گھر میں ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، اس کی شان اور اس کی عظیم ذمہ داریوں سے وہ مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ ان باتوں سے جب یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کہیں تلخ نہ ہو جائے اور اس کا اثر اس کا عظیم پر مرتب نہ ہو جو اللہ تعالیٰ حضور سے لے رہا تھا، تو قرآن مجید میں یہ آیت نازل کر کے ان کی اصلاح فرمائی گئی تاکہ ازواجِ مطہرات کے اندر اپنے اس مقام اور مرتبے کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جو اللہ کے آخری رسول کی رفیقِ زندگی ہونے کی حیثیت سے ان کو نصیب ہوا تھا، اور وہ اپنے آپ کو عام عورتوں کی طرح اور اپنے گھر کو عام گھروں کی طرح نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس آیت کا پہلا ہی فقرہ ایسا تھا کہ اس کو سن کر ازواجِ مطہرات کے دل لرز اٹھے ہونگے۔ اس ارشاد سے بڑھ کر ان کے لیے تنبیہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ ”اگر نبی تم کو طلاق دے دے تو بعد نہیں کہ اللہ اس کو تہااری جگہ تم سے بہتر بھیجا عطا کرے۔“ اول تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق مل جانے کا تصور ہی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا، اس پر یہ بات مزید کہ تم سے اہمات المؤمنین کا شرف چھین جائے گا اور دوسری عورتیں جو اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں لائے گاؤ تم سے بہتر ہونگی۔ اس کے بعد تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ازواجِ مطہرات سے پھر کبھی کسی ایسی بات کا صدور ہو تا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کی نوبت آتی یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بس دو ہی مقامات ہم کو ایسے ملتے ہیں جہاں ان برگزیدہ خواتین کو تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ ایک سورہ احزاب اور دوسرے یہ سورہ تحریم۔

اللہ مسلم اور مومن کے الفاظ جب ایک ساتھ لائے جاتے ہیں تو مسلم کے معنی عملاً احکام الہی پر عمل کرنے والے کے ہوتے ہیں اور مومن سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو صدق دل سے ایمان لائے۔ پس بہترین مسلمان بیویوں کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین پر ایمان رکھتی ہوں، اور عملاً اپنے اخلاق، عادات، خصائل اور برتاؤ میں اللہ کے دین کی پیروی کرنے والی ہوں۔

اللہ اس کے دو معنی ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد ہیں۔ ایک، اللہ اور اس کے رسول کی تابع فرمان۔ دوسرے

اپنے شوہر کی اطاعت کرنے والی۔

اللہ تائب کا لفظ جب آدمی کی صفت کے طور پر آتے تو اس کے معنی میں ایک دفعہ توبہ کرنے والے کے نہیں ہوتے بلکہ ایسے شخص کے ہوتے ہیں جو ہمیشہ اللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگتا رہے جس کا خمیر زندہ اور بیدار ہو جیسے ہر وقت اپنی گزرتی اور لغزشوں کا احساس ہوتا رہے اور وہ اُن پر نام و ثمر سار ہو۔ ایسے شخص میں کبھی غرور و تکبر اور نخوت و خود پسندی کے جذبات پیدا نہیں ہوتے بلکہ وہ طبعاً نرم مزاج اور حلیم ہوتا ہے۔

گلے عبادت گزار آدمی بہ حال کبھی اُس شخص کی طرح خدا سے غافل نہیں ہو سکتا جس طرح عبادت نہ کرنے والا انسان ہوتا ہے۔ ایک عورت کو بہترین بیوی بنانے میں اس چیز کا بھی بڑا دخل ہے۔ عبادت گزار ہونے کی وجہ سے وہ خود کو کی پابندی کرتی ہے، حق والوں کے حق چھانتی... ہوا داد کرتی ہے، اس کا ایمان ہر وقت تازہ اور زندہ رہتا ہے، اُس سے اس امر کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ احکامِ الہی کی پیروی سے منہ نہیں مڑے گی۔

ہلہ اصل میں لفظ سائنات استعمال ہوا ہے متعدد صحابہ اور بکثرت تابعین نے اس کے معنی سائنات بیان کیے ہیں۔ رونے کے لیے سیاحت کا لفظ جس مناسبت سے استعمال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں سیاحت زیادہ تر راہب اور بویش لوگ کرتے تھے، اور ان کے ساتھ کوئی زاد راہ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر ان کو اس وقت تک بھوکا رہنا پڑتا تھا جب تک کہ پیسے کچھ کھانے کو نہ مل جاتے۔ اس بنا پر روزہ بھی ایک طرح کی درویشی ہی ہے کہ جب تک افطار کا وقت نہ آئے روزہ بھی بھوکا رہتا ہے۔ ابن جریر نے سورہ توبہ، آیت ۱۲ کی تفسیر میں حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ سیاحت ہذہ الامۃ الصیام، اس امت کی سیاحت (یعنی درویشی) روزہ ہے۔ اس مقام پر نیک بیویوں کی تعریف میں اُن کی روزہ داری کا ذکر اس معنی میں نہیں کیا گیا ہے کہ وہ محض رمضان کے فرض روزے رکھتی ہیں، بلکہ اس معنی میں ہے کہ وہ فرض کے علاوہ نفل روزے بھی رکھا کرتی ہیں۔

ازواجِ مطہرات کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دے دے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے میں اُن کو ایسی بیبیاں عطا فرمائے گا جن میں یہ اور یہ صفات ہوں گی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ازواجِ مطہرات یہ صفات نہیں رکھتی تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری جس نفلط روش کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہو رہی ہے اُس کو چھوڑ دو اور اُس کے بجائے اپنی ساری توجہات اس کوشش میں صرف کر دو کہ تمہارے اندر یہ پاکیزہ صفات بدرجہ اتم پیدا ہوں۔